Tarseel, Vol. 15 (ISSN : 0975-6655)
A Peer Reviewed Reserch Journal of Urdu
Direcotrate of Distance Education,
University of Kashmir
Pp 1-15

جموں وکشمیر کا اولین افسانہ نگار: محمد الدین فوقؔ

قدوس جاوید

تلخیص

یہ مقالہ اُردو کے نامور استاد اور نقاد پروفیسر قدوس جاوید کی تحقیقی کاوش کا نتیجہ ہے جس میں انہوں نے نہایت ہی استدلالی طریقے سے ریاستِ جموں وکشمیر کے ایک اہم سپوت محمد الدین فوق کی افسانہ نگاری پر بحث کی ہے۔ مقالہ نگار نے شرح وبسط اور مناسب حوالے کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ محمد الدین فوق ریاستِ وجموں وکشمیر کے اولین افسانہ نگار ہیں جن کے افسانہ کا اولین مجموعہ ۱۹۲۸ء میں منصّہ شہود پر آیا ہے۔ مقالہ نگار نے افسانہ نگاری کے فنی اور تکنیکی امور پر بھی سیر حاصل روشنی ڈالتے ہوئے فوق کے افسانوں کو مشرقی مزاج سے زیادہ ہم آہنگ قرار دیا۔ ان کا اصرار ہے کہ فوق نے اپنے افسانوں کو حکایات کا نام اس لیے دیا ہے کہ ہماری تہذیبی، جمالیاتی اور ثقافتی زندگی میں قصہ وحکایت کی اہمیت اظہر من الشّمس ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ منٹو کے ''سیاہ حاشیے'' جو ۱۹۴۷ء کے بعد شائع ہوا، سے قریباً بیس سال قبل فوقؔ کا مجموعہ ''حکایاتِ کشمیر'' شائع ہوا تھا۔ مقالہ نگار نے اُردو کے معروف اور مستند ناقدین کی آرا کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے دعویٰ کو مستحکم بنایا ہے۔ یہ مقالہ اُردو فکشن کی تاریخ میں بالعموم اور ریاستِ جموں وکشمیر کی ادبی تاریخ میں مناسب اہمیت کا حامل

ہے اور اُردو کے ادبی مورخین و محققین کے لیے بہت ہی دل چسپ ثابت ہوگا۔

اہم لفظیات: افسانہ، منی افسانہ، افسانچہ، حکایت، ادبی تاریخ، حکایاتِ کشمیر، فکشن، اصنافی تنقید، ناولٹ، بیانیہ۔

محمد الدین فوقؔ (۱۸۷۷ء۔۱۹۴۵ء) ریاست جموں و کشمیر کے پہلے افسانہ نگار ہیں لیکن اس دعوے کو ثابت کرنے اور اس پر یقین کرنے کے لیے دلائل و شواہد کی ضرورت پیش آئے گی۔ کیوں؟ اس لیے کہ ریاست جموں و کشمیر میں اردو افسانہ نگاری کا آغاز کب اور کس کے ہاتھوں ہو، اس کے بارے میں ابھی تک کسی بھی ادبی محقق یا مورخ نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ عبد القادر سروری اور حبیب کیفوی سے لے کر محمد یوسف ٹینگ، حامدی کاشمیری اور غلام نبی خیال جیسے مستند دانشوروں کا قلم بھی اس مسئلے پر خاموش ہی نظر آتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ مرزا حامد بیگ 'اردو افسانے کی روایت'' کی تلاش میں ،دردمند اکبر آبادی، سید رفیق حسین، ابوالفضل صدیقی، محمد علی ردولوی اور مسز عبد القادر کے افسانوں تک تو پہنچ جاتے ہیں لیکن نہ جانے کیوں محمد الدین فوقؔ کے افسانوں تک ان کی رسائی نہیں ہوسکی۔ بہر حال مطالعے کی آسانی کے لیے یہ طے کرنا ضروری بھی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں اردو افسانے کا نقطہ آغاز کہاں اور کیا ہے؟ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں، کشمیر کے مشہور مورخ، محقق، صحافی، شاعر اور فکشن نگار محمد دین فوق نے اہل کشمیر میں، حب الوطنی، انسان دوستی، اعلیٰ اخلاقیات اور سیاسی بیداری کے جذبات پیدا کرنے کے لیے، ''حکایت'' (''افسانچہ'' یا ''منی افسانہ'') کی ہئیت میں جو افسانے لکھے، انھیں ریاست جموں و کشمیر کے ابتدائی افسانے کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ فوق کے یہ افسانے اردو کے اولین افسانوں ''نصیر اور خدیجہ'' (راشد الخیری، مطبوعہ مخزن، لاہور دسمبر ۱۹۰۳ء)، ''تصویرِ غم'' (دردمند اکبر آبادی، مخزن، لاہور، فروری ۱۹۰۴ء) ''ایک پرانی دیوار'' (علی محمود، مخزن، لاہور، اپریل ۱۹۰۴ء)، ''بدنصیب کا لال'' (راشد الخیری، مخزن لاہور، اگست ۱۹۰۵ء) ''غربت و وطن'' (سجاد حیدر یلدرم، اردوئے معلیٰ، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۰۶ء)، ''دوست کا خط'' (سجاد حیدر یلدرم، مطبوعہ مخزن لاہور اکتوبر ۱۹۰۵ء) ''نابینا بیوی'' (سلطان حیدر جوشؔ، مطبوعہ مخزن لاہور دسمبر ۱۹۰۷ء) ''عشق دنیا اور حب وطن'' (پریم چند، مطبوعہ، زمانہ، کانپور اپریل ۱۹۰۸ء) ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' (مشمولہ سوزِ وطن جون ۱۹۰۸ء)، ''گناہ کا خوف'' (محمد علی ردولوی، لگ بھگ ۱۹۰۹ء)، ''نینی تال'' (علی محمود ادیب، الہ آباد، جولائی ۱۹۱۰ء)، ''بہرا شہزادہ'' (خواجہ حسن نظامی، ہمایوں، لاہور، جنوری ۱۹۱۳ء) ''ایک پارسی

دوشیزہ کو دیکھ کر'' (نیاز فتح پوری، تمدن، دہلی، جنوری ۱۹۱۳ء)، ''پھول'' (پنڈت سدرشن، مخزن لاہور، جنوری ۱۹۱۴ء) وغیرہ کی طرح ہی مختصر افسانہ (StoryShort) کے فنی و تکنیکی پیمانوں پر سو فیصد پورے نہیں اترتے۔ راشد الخیری، سلطان حیدر جوش اور پریم چند کے ابتدائی افسانوں کی طرح اسی عرصے (بیسویں صدی کے اوائل) میں لکھی گئی محمد الدین فوق کی جن تحریروں کو مختصر افسانہ (مِنی افسانہ'' یا ''افسانچہ'') کا نام دیا جا سکتا ہے وہ سب انگریزی ShortStory کی بجائے فارسی 'حکایت نگاری' کی روایت کے زیر اثر لکھی گئی مقصدی (اخلاقی اور تربیتی) کہانیاں ہیں۔ (خود فوق نے بھی اپنے شروعاتی مختصر افسانوں کو کہانی یا مختصر افسانہ کے بجائے حکایت کا نام دیا ہے،) فوق کے مختصر ترین افسانے بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں ہی مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو رہے تھے لیکن انھوں نے اپنے ان افسانوں کا پہلا مجموعہ ''حکایات کشمیر'' کے نام سے 1928 میں شائع کروایا۔ اس وقت تک راشد الخیری، یلدرم، سلطان حیدر جوش اور پریم چند کے افسانوں کا ڈنکا تو بج ہی رہا تھا، ل۔ احمد اکبر آبادی اور پنڈت سدرشن سے لے کر نیاز فتح پوری، اور مجنوں گورکھ پوری تک متعدد افسانہ نگار اردو مختصر افسانہ کی زمین کو آسمان کرنے میں مصروف تھے۔ لاہور، جو فوق کا میدانِ عمل تھا اُس زمانے میں اردو کا سب سے بڑا ادبی مرکز تھا۔ اردو کے سب سے زیادہ اخبارات و رسائل، مذہبی اور علمی کتب، ناول اور شعری و افسانوی مجموعے لاہور سے ہی شائع ہوتے تھے اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ فوق جیسے سرگرم اور دیدہ ور ادیب، شاعر، مورخ اور صحافی کو اردو میں کہانی کی نئی صنف افسانہ کی پیش رفت کا علم نہ ہو؟ پھر بھی فوق نے اپنے ''کشمیر مرکز، تاریخی نوعیت کے افسانوں کو افسانے کی بجائے ''حکایات'' کا نام کیوں دیا؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ فوق ''عاشقِ کشمیر'' تھے۔ لاہور میں سکونت کے باوجود فوق کی جملہ ادبی و علمی، تاریخی اور صحافتی حتیٰ کہ شعری سرگرمیوں کا مرکز و محور کشمیر ہی ہوتا تھا، لاہور میں رہتے ضرور تھے لیکن جب موقع ملتا کشمیر وارد ہو جاتے، فوق کا انتقال بھی سرینگر کشمیر سے واپسی پر لاہور میں ہوا۔ دوئم یہ کہ گرچہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے 1888 میں اردو کو ڈوگرہ دربار کی سرکاری زبان بنانے کا حکم صادر کر دیا لیکن کشمیر میں اس حکم کا اطلاق بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے بعد ہی ہو سکا۔ اردو سے پہلے فارسی ریاست کی سرکاری زبان تھی کشمیر میں اردو عوامی رابطے کی زبان کا درجہ حاصل کرنے لگی تھی لیکن علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے فارسی اور کشمیری کے استعمال کا رواج عام تھا۔ حکایات سعدی اور مثنوی مولانا روم سے ہر کشمیری واقف تھا۔ لہذا عین ممکن ہے کہ اس صورت حال کے پیش نظر فوق نے اپنے افسانوں کو ''حکایات'' کا نام دیا ہو۔ دوسری بات یہ کہ فوق نے چونکہ کشمیر کے ماضی کی اہم شخصیات کی زندگی

اورزمانہ کے روشن،تعمیری اورلائق تقلید واقعات پراپنے افسانوں کی عمارتیں کھڑی کی ہیں جوہئیتی اورموضوعاتی اعتبار سے ان کے معاصر افسانہ نگاروں کے افسانوں سے مختلف ہیں،لہذا ہوسکتا ہے کہ اس وجہ سے بھی فوقؔ نے اپنے افسانوں کو ''حکایت'' کا نام دیا ہو۔ایک اور وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ کشمیری نژادشاعرمشرق علامہ اقبال کے عزیز ترین معتقد اور دوست،فوق انگریزی حکومت،تہذیب اورادب وآداب کے قائل نہ تھے اور انگریزوں سے اپنے وطن کی آزادی کے زبردست حامی بھی تھے۔اس لیے بھی ممکن ہے کہ فوق نے انگریزی کی Short Story کی جگہ کہانی کی مشرقی صنف ''حکات'' کی ہئیت میں مقصدی،اخلاقی اورتعمیری کہانیاں لکھنے کوترجیح دی ہو۔دوسری جانب دیکھا جائے تو،فوق کی طرح، راشدالخیری،جوشؔ اور پریم چند کی ابتدائی کہانیاں بھی اسی نوعیت کی مقصدی،اخلاقی اوراصلاحی کہانیاں ہی ہیں۔اس زاوئے سےفوق کی حکایات کی اردوافسانہ سے مماثلت ثابت ہوجاتی ہے۔اب اگرفوق کی''حکایات''اورآج کے اردو ''افسانچہ''یا''منی افسانہ''کے مابین فنی وتکنیکی مماثلتوں کا جائزہ لیا جائے تو حکایت اورمختصرافسانہ کی طرح ہی،حکایت اوراردو افسانچہ یا منی افسانہ کے مشترکہ فنی وتکنیکی امتیازات کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔لیکن یہ اضافی تنقید Genre Criticism کے لیے ایک چیلنج سے کم نہیں۔حکایت کے بارے میں گیان چندجین نے اردو کی نثری داستانیں (صفحہ 50) میں لکھا ہے:

''اردو میں مختصراخلاقی کہانیوں کی تمام اقسام کوحکایات کہتے ہیں''

اوراتنی بات توسبھی جانتے ہیں کہ اردو میں،فارسی (عربی) سےصرف شعری اصناف ہی مستعارنہیں لی گئیں بلکہ کئی نثری اصناف مثلاً،داستان،تذکرہ،تحقیق،تنقید،تاریخ نگاری،سیرت نگاری.....وغیرہ بھی فارسی سے ہی اردوتک پہنچیں۔عربی فارسی اوراردو میں لفظ''حکایت'' قصہ،کہانی،واقعہ کے معنی میں ہی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔مشہورشعر ہے ؎

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

مختصرافسانہ کیا ہےاورکیانہیں؟ یہ آج بھی ایک ٹیڑھا سوال ہے۔حسن عسکری کے بقول،

''افسانے پر ہیئت کے اعتبار سے پوری سنجیدگی کے ساتھ ابھی تک غور ہی نہیں ہوا ہے،افسانے کی تسلی بخش تعریف بھی ابھی تک نہیں ہوسکی ہے..

....بعض نقادوں کی رائے ہے کہ افسانہ کے اصول مرتب ہو ہی نہیں سکتے اور نہ ہونے چاہئیں ۔ یہ ادب کی آزاد صنف ہے اور اس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ ہر افسانہ نگار اپنے اصول خود بنائے، کسی روایت یا اصول کی پابندی نہ کرے اور درحقیقت ہوتا بھی یہی رہا ہے ۔مثلاً یہی دیکھئے کہ بعض افسانے بس صفحے بھر کے ہوتے ہیں ،بعض پچاس ساٹھ صفحوں کے افسانے کو مختصر افسانہ کہا جائے یا طویل مختصر افسانہ؟ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ لکھنے والے کا جی چاہا تو اپنے افسانے کو مختصر کہہ دیا، جی چاہا طویل مختصر افسانہ کہہ دیا، بلکہ مختصر ناول۔''[1]

اردو افسانہ کے معتبر محقق مرزا حامد بیگ نے بھی لکھا ہے:

افسانہ کو،''مخزن''جیسے اہم جریدے میں تادیر''مضمون''یا قصہ''کہا جاتا رہا'' [2]

ویسے یہ بات صحیح ہے کہ مختصر افسانہ Short Story بالغ قارئین کے لیے لکھا جاتا ہے جب کہ حکایت بچوں ،نوجوانوں اور عام لوگوں کی کردار سازی اور ذہنی تربیت کے لیے لکھی جاتی ہے۔ دوئم یہ کہ مختصر افسانہ، سماجی، سیاسی، نفسیاتی یا جنسی کسی بھی موضوع پر لکھا جا سکتا ہے لیکن حکایت میں اتنی آزادی نہیں ۔حکایت میں حکمت وہدایت ، پند ونصیحت اور اخلاقی اور اصلاحی موضوعات پر کہانی کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔تاکہ عام لوگوں میں اعلی صفات اور ایک اچھی زندگی کا ذوق اور شعور پیدا ہو سکے ۔ حکایت نگاری کا مقصد بھی یہی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں افسانے کا مقصدی ہونا ضروری نہیں (کلاسیکی اور ترقی پسند افسانہ نگار مقصدیت کے حامی تھے اور جدیدیت پسند مخالف) لیکن حکایت کے لیے مقصدیت شرط ہے۔ دراصل انسان کو اپنی فطرت کے فاصد عناصر کو قابو میں رکھنے کے لیے کسی اخلاقی نظام میں پناہ لینا بھی ضروری ہے ۔لہذا کسی افسانہ میں اصلاحی مقصد کی موجودگی کو اس افسانے کا عیب نہیں ہنر ہی قرار دینا مناسب ہوگا۔ افسانہ کے سابقہ مغربی ناقدین نے بھی افسانہ کے موضوع یا مقصد کی حد بندی نہیں کی ہے اردو میں فکشن کے معتبر ناقد اور محقق محترم وقار عظیم نے بھی اردو افسانہ کے منفرد صنفی امتیازات کی نشاندہی کرتے ہوئے افسانہ کے اصلاحی اور مقصدی کردار کی حمایت ہی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''افسانہ، کہانی میں پہلی مرتبہ وحدت کی اہمیت کی مظہر ہے۔کسی ایک احساس
،ایک تاثر ،ایک اصلاحی مقصد ،ایک رومانی کیفیت کو اس طرح کہانی میں
بیان کرنا کہ وہ دوسری چیزوں سے الگ اور نمایاں ہو کر پڑھنے والے کے
جذبات و احساسات پر اثر انداز ہو،افسانہ کی وہ امتیازی خصوصیت ہے
جس نے اسے 'داستان اور ناول سے الگ کیا ہے''۔ ۳؎

ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے بھی 'اردو فکشن کی تنقید' میں مختلف مغربی اور اردو ناقدین کے حوالے سے ''افسانہ'' کے صنفی ،فنی و تکنیکی شرائط و امتیازات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔اور ان کی باتوں سے نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ:

''ہر وہ کہانی جس میں کسی ایک جذبہ،تاثر ،کیفیت یا اصلاحی مقصد کو پُر تاثیر
انداز میں بیان کیا گیا ہو 'افسانہ'' ہے۔''

اب، افسانہ کتنا مختصر یا طویل ہو اس مسئلے کو وقار عظیم یا ارتضیٰ کریم نے نہیں چھیڑا ہے البتہ بعض مغربی دانشوروں نے افسانہ کو ناول سے الگ صنف قرار دینے کے لیے قرأت میں وقت کے اصراف (آدھے گھنٹے سے دو گھنٹے تک) کو بنیاد بنایا ہے جو بڑی مضحکہ خیز سی بات لگتی ہے۔

ایک اور بات یہ بھی ہے کہ اختصار، حکایت،افسانچہ یا منی افسانہ کا فنی و تکنیکی لازمہ ہے جب کہ مختصر افسانہ Short Story میں ناول کی طوالت کے حوالے سے اختصار کی بات کی جاتی ہے۔لیکن معاملہ یہ ہے کہ مختصر افسانہ کیا، افسانوی ادب کی کسی بھی صنف کے لیے طوالت یا اختصار کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، ہو بھی نہیں سکتی۔داستان کا قصہ تو یہ ہے کہ ''نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم''اسی طرح ہزار پانچ سو صفحات پر مشتمل ''آگ کا دریا''، ''اداس نسلیں'' اور ''لہو کے پھول'' بھی ناول ہیں اور سو، سوا سو، ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ''ایک چادر میلی سی'' (بیدی)، ''بازدید'' (جوگندر پال)، ''لل دید'' (ویدراہی)اور ''نیلیما'' (شفق سوپوری) بھی بلا شبہ ناول ہی ہیں (کیوں ہیں یہ الگ بحث ہے)۔اسی طرح اردو مختصر افسانہ کتنا مختصر ہو یہ بھی طے نہیں ہے۔اردو میں قرۃ العین حیدر کے ''ڈالن والا ،اور ہاوسنگ سوسائٹی اور قدرت اللہ شہاب کے ''یا خدا' بھی افسانے ہی ہیں البتہ ان کے ساتھ 'طویل' کا لاحقہ بھی لگا دیا جاتا ہے۔کچھ لوگ ناولٹ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔اب عبداللہ حسین نے ناول اور افسانہ کے درمیان سے کہانی کی ایک نئی شکل پیدا کر لی ہے جسے وہ ''ناولا

'' کہتے ہیں، جو نہ تو ناول کی طرح ضخیم ہوتا ہے نہ افسانے کی طرح مختصر۔لیکن اردو میں مختصر افسانہ کے بعد کی افسانوی صنف افسانچہ یا منی افسانہ، کی طرح حکایت بھی چند سطروں یا ایک آدھ صفحہ پر ہی مشتمل ہوتی ہے۔آج کے محاورے میں اتنی مختصر کہانی کو ہی ''منی افسانہ '' یا ''افسانچہ'' کہتے ہیں۔دوئم یہ کہ کسی بھی تحریر کو داستان، ناول، افسانہ، حکایت، افسانچہ یا منی افسانہ قرار دینے کے لیے سطریں یا صفحات نہیں، ''کہانی پن'' کو بنیادی شرط مانا گیا ہے لہذا فوق کی حکایتوں میں کہانی پن ہے یا نہیں اس کا جائزہ لینے سے پہلے افسانچہ نگار ڈاکٹر محبوب راہی کا یہ اقتباس دیکھ لیں:

> ''وہ عنصر جو کہانی کی جان ہوتا ہے.....وہ ہے کہانی پن اور یہ کہانی پن چاہے داستان میں ہو، ناول میں ہو، افسانے میں یا افسانچہ میں، یہ'' کہانی پن''، کہانی کے ایک باب، ایک صفحہ ایک پیراگراف یا ایک جملے میں بھی سمویا جا سکتا ہے، اس کے آس پاس واقعاتی تسلسل کے ساتھ، چند حقائق، کچھ زیب داستاں کے لیے، ان تمام کے متناسب اور متوازن اشتراکِ باہم سے۔''[۴]

لیکن اس ضمن میں بھی دو باتیں اہم ہیں اول یہ کہ، افسانہ کے لیے کہانی پن ہی کافی نہیں، کہانی بیان کرنے کا سلیقہ بھی ضروری ہے یعنی افسانہ نگار کو بیانیہ پر اتنی قدرت حاصل ہو کہ قاری افسانہ پڑھتے ہوئے شروع سے آخر تک اس بیان میں کھو جائے۔چیخوف کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ کہانی کے بیان یا قصہ گوئی کا بادشاہ تھا۔ناخواندہ لوگ بھی چیخوف کے افسانے سن کر ان سے لطف اندوز ہوتے تھے۔اردو میں راشد الخیری، سلطان حیدر جوش، پریم چند اور علی عباس حسینی وغیرہ کے افسانوں میں کہانی پن بھی ہے اور کہانی بیان کرنے کا منجھا ہوا انداز بھی کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کی کہانیاں سن کر نہال ہو جاتے تھے لیکن انگریزی میں ایچ۔ای۔بیٹس اور الزبتھ بوون کے یہاں اور اردو میں سجاد حیدر یلدرم اور جدید افسانہ نگاروں میں بلراج مینرا، کمار پاشی، احمد ہمیش، انور سجاد اور رشید امجد وغیرہ نے شروع میں چند ایک ایسے افسانے بھی لکھے، جن میں کہانی مفقود ہے۔رشید امجد نے تو جدیدیت پسندی کے جوش جنوں میں بہت آگے نکل کر یہاں تک کہہ ڈالا تھا کہ:

> ''لفظ افسانویت (کہانی پن) بوڑھے نقادوں کا جمایا ہوا لفظ معلوم ہوتا ہے

جس کے میرے نزدیک کوئی معنی نہیں''

کمار پاشی نے بھی افسانویت کی اصطلاح کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا:

''جدید افسانہ نے افسانے کو افسانہ پن سے نجات دلا کر اسے تخلیقی ذائقہ
سے روشناس کرایا ہے۔''

گرچہ جدیدیت کا زور ٹوٹتے ہی یہ دونوں حضرات اپنے ان بیانات پر پچھتائے اور ایسے عمدہ افسانے لکھے جن میں کہانی پن اور بیانیہ کو بڑی مہارت کے ساتھ برتا گیا ہے۔ بہر حال گفتگو فوق کی حکایات اور افسانچہ کے حوالے سے افسانہ میں کہانی پن اور اختصار کی ہو رہی تھی۔ مشہور افسانچہ نگار اور نقاد ڈاکٹر عظیم راہی نے اپنی تحقیقی وتنقیدی تصنیف ''اردو میں افسانچہ کی روایت'' میں عالمی سطح پر افسانچہ کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے اختصار کے حوالے سے افسانچہ کو Define کرنے کی جو کوشش کی ہے اس سے افسانہ کی مختصر ترین صورتوں حکایت، افسانچہ یا منی افسانہ کے اختصار اور کہانی پن کی بات کچھ اور واضح ہو جائے گی۔

''افسانچہ دراصل اس قدر Compact (مختصر) جامع ہونا چاہئے کہ اس کا
تاثر (Impact) پوری شدت سے قاری کے ذہن پر اثر انداز ہو کر
، تادیر قائم رہ سکے۔ بنیادی طور پر یہ فن پارے کی اولین شرط ہے لیکن جب
بات بہت مختصر لفظوں میں مکمل طور پر کہنی ہو تب یہ شرط اور بھی کڑی ہو جاتی
ہے۔''[۵]

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حکایت، منی افسانہ یا افسانچہ بھی ''افسانہ'' ہے خواہ اس میں چند سطروں میں ہی کسی کہانی کو کیوں نہ بیان کیا گیا ہو، بالکل اسی طرح جس طرح غزل کا ایک مکمل شعر بھی ''شاعری'' ہے اور ہزار اشعار پر مشتمل نظم (مثنوی) بھی شاعری ہے۔ سعادت حسن منٹو کے ''سیاہ حاشئے'' کی منی کہانیوں یا افسانچوں کو افسانہ یا Story ماننے سے کوئی انکار نہیں کرتا۔ حسن عسکری نے بھی انھیں ''چھوٹے چھوٹے افسانے'' ہی کہا ہے اب اگر'' فارسی کے حکایات سعدی'' کو ذہن میں رکھتے ہوئے محمد الدین فوق نے بھی اپنے چھوٹے چھوٹے افسانے ''حکایت'' کے نام سے پیش کیے ہیں تو آج کی تاریخ میں اسے 'منی افسانہ یا افسانچہ کی طرح، افسانہ ماننے سے انکار کرنا

محال ہے۔اس زاوئے سے اگر دیکھیں تو محمد الدین فوق ریاست جموں وکشمیر کے پہلے افسانہ نگار قرار دیے جانے کا پورا حق رکھتے ہیں۔ویسے یہاں جملہ معترضہ کے طور پر اگر یہ بھی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ افسانہ کے جس مختصر ترین روپ کو افسانچہ یا منی افسانہ کہا جاتا ہے اس کے لیے ''حکایت'' کا لفظ استعمال کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ آخر ہم نے غزل، مثنوی، قصیدہ وغیرہ اصناف کو ان کے اصطلاحی معنی ہی نہیں روایات اور رسومیات، قواعد اور رجحانات کے ساتھ اپنایا ہی ہے تو پھر مسائل زدہ، اور اقداری نظام سے محروم برصغیر میں اگر مروجہ صنف ''افسانہ'' سے الگ اصلاحی اور تعمیری مقاصد کے لیے افسانچہ (یا منی افسانہ) کو حکایت کے نام سے ہی فروغ دیا جائے تو اردو ادب کا بھلا ہی ہوگا۔ایسا لگتا ہے کہ شعوری یا لاشعوری طور پر اس کی شروعات محمد الدین فوق نے اپنی حکایات سے کر دی تھی۔محمد حسن عسکری تو فرما ہی گئے ہیں کہ ''افسانہ آزاد صنف ہے اور اس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ ''ہر افسانہ نگار اپنے اصول خود بنائے کسی روایت یا اصول کی پابندی نہ کرے''۔اب اگر فوق نے اپنے افسانوں کو، مضمون یا قصہ یا افسانہ کے بجائے ''حکایت'' کا نام دیا ہے تو واضح ہے کہ انہوں نے دانستہ طور پر ایسا کیا ہے اور اسے غلط نہیں کہا جا سکتا ہے۔محمد دین فوق نے انیسویں صدی کے اخیر اور بیسویں صدی کے اوائل سے ہی شعر و شاعری، تحقیق و تنقید نگاری، ناول نگاری اور صحافت کے ساتھ ساتھ مختصر افسانہ نگاری شروع کر دی تھی لیکن فوق نے اپنے مختصر ترین افسانوں کو شعوری طور پر ''حکایات'' کا نام دیا، اور اس کے اسباب کی وضاحت کی جا چکی ہے۔فوق کے مختصر ترین افسانوں کے تین مجموعے شائع ہوئے ہیں۔۱۔''حکایاتِ کشمیر''، ۲۔''سبق آموز کہانیاں''، اور ۳۔''دبستان اخلاق''۔تقسیم ملک کے بعد تک ان مجموعوں کے کئی کئی اڈیشن شائع ہوئے لیکن اب یہ کتابیں نایاب ہیں۔فوق کے اِن افسانوی مجموعوں میں ''حکایات کشمیر'' اہم ہے۔ 128 پر مشتمل ''حکایات کشمیر'' پہلی بار 1928 میں ''ظفر برادرس لاہور'' کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔اس کے بعد اس کتاب کے کئی اڈیشن شائع ہوئے تقسیم ملک کے بعد پاکستان اور جموں کشمیر میں بھی یہ کتاب شائع کی جاتی رہی۔1983 میں حکایاتِ کشمیر کا ایک اڈیشن ''شاہین بک اسٹال اینڈ پبلشرز سرینگر کشمیر نے شائع کیا تھا لیکن اب یہ کتاب نایاب ہے۔محمد دین فوق کی ''حکایاتِ کشمیر'' میں 23 کہانیاں شامل ہیں جو کشمیر کے راجوں مہاراجوں اور مسلمان بادشاہوں کی زندگی اور زمانہ کے دلچسپ اور اہم واقعات پر مبنی ہیں۔گورنمنٹ کالج لاہور کے ڈاکٹر محمد منیر اجمل خان نیازی نے اپنے مقالے ''محمد الدین فوقؔ اور اُن کی علمی و ادبی خدمات میں لکھا ہے کہ:

''فوقؔ نے اس کتاب کے آغاز میں ''کشمیر جنت نظیر'' کے نام سے ایک مختصر

دیباچہ لکھا ہے، جس میں کشمیر کا حسن، اس کا حدود اربعہ اور مختصر تاریخ بیان کی
گئی ہے۔ان حکایات کے ذریعے انھوں نے کشمیر کے ساتھ اپنی وابستگیوں کو
(لوگوں) کے دلوں میں جاگزیں کرنے کی کوشش کی ہے''[۲]

فوق نے اس کتاب میں جموں وکشمیر کے جن حکمرانوں کے حوالے سے کہانیاں پیش کی ہیں ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

۱۔راجہ ہرن دیو، ۲۔راجہ سندرسین، ۳۔راجہ جلوک، ۴۔راجہ توتاسین، ۵۔راجہ سندھی متی، ۶۔راجہ میگھ واہن، ۷۔راجہ ماترگپت، ۸۔راجہ پردرسین، ۹۔راجہ چندرا بھان، ۱۰۔زاہدہ للتا دتیہ، ۱۱۔راہبہ جیا پیڈ اور اس کا جاں نثار وزیر....شرما، ۱۲۔راجہ اونتی ورمن اور وفادار وزیر شیکھر ورمن، ۱۳۔راجہ اونتی ورمن اور ایک کمہار کا عقل مند بیٹا، ۱۴۔رانی سوگندھا، ۱۵۔راجہ پشکر، ۱۶۔راجہ اوپل، ۱۷۔راجہ عجب دیو، ۱۸۔راجہ رنجیت دیو، ۱۹۔کرنل میاں سنگھ کمیدان، ۲۰۔مہاراجہ رنبیر سنگھ، ۲۱۔راجہ دھیان سنگھ، ۲۲۔ہر دلعزیز سلطان زین العابدین، ۲۳۔عیاش بادشاہ یوسف چک۔''

مذکورہ بالا حکمرانوں کی کہانیوں میں فوق نے اعلیٰ اخلاق، بہادری، جاں نثاری، وفاداری، علم دوستی اور غریب پروری جیسے موضوعات پر مبنی واقعات اس طرح پیش کیے ہیں کہ قاری کے اندر مثبت کردار و سیرت کی تعمیر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔فوق کشمیری تھے، کشمیر سے انھیں عشق تھا اور وہ اہلِ کشمیر کے دلوں میں قومی تشخص اور حب الوطنی کے اوصاف کو مزید بیدار اور مستحکم کرنا چاہتے تھے چنانچہ، شاعری، صحافت اور تحقیق وتنقید کی طرح فوق کے افسانوں کے مرکز میں بھی حب الوطنی کا جذبہ کارفرما ہے اپنے ایک افسانہ ''راجہ ماترگپت اور ایک فوجی سالار پرورسین'' کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''پرورسین نے پنجاب کا بہت سا علاقہ فتح کرلیا، اس کے بعد اس کے صلاح
کاروں نے اس کو مشورہ دیا کہ اپنے آبائی ملک کشمیر پر حملہ کیا جائے۔اس
نے جواب دیا کہ ''دو باتیں ہیں جو مجھے اپنے آبائی ملک پر حملہ کرنے سے
روک رہی ہیں۔ایک تو یہ کہ ماترگپت ایک شاعر۔اس پر حملہ کرنا ایک
ایسے شخص کی شان سے بعید ہے، جس کی رگوں میں نسلاً بعد نسلاً بادشاہی
خون حرکت کر رہا ہے۔دوسرا یہ کہ کشمیر میرا وطن ہے، میرا ملک ہے، اگر میں

نے وہاں حملہ کیا،تو میرے اہل وطن ہلاک ہوں گے،اُن کی فصلیں تباہ ہوں گی ،وہ فاقہ کشی کے شکار ہوں گے اور کئی لوگ بے موت مر جائیں گے''۔ ے

اسی طرح کشمیر کے مسلمان بادشاہوں کی انسان دوستی اور وسیع المشربی کو فوق نے اپنی کہانی ''ہر دلعزیز سلطان زین العابدین'' میں بیان کیا ہے۔کشمیر کے حکمرانوں میں سلطان زین العابدین کے جیسا انسان دوست اور انصاف پسند بادشاہ کوئی دوسرا نہیں ہوا ہے۔اسی لیے کشمیر کی تاریخ میں سلطان زین العابدین کو''بڈ شاہ''(عظیم بادشاہ) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔آج بھی کشمیر میں ''بڈ شاہ'' کے نام پر کئی پُلوں ،چوراہوں اور تعلیمی وطبی اداروں کے نام سے موجود ہیں۔فوق نے ''حکایاتِ کشمیر'' میں شامل ایک کہانی ''ہر دل عزیز سلطان زین العابدین'' میں لکھا ہے،

''اس سلطان نے ہندووں کے واسطے جو کچھ کیا،وہ،ہندووں کے لئے کسی ہندو راجہ سے بھی نہ ہو سکا۔اس نے جلا وطن ہندوؤں کو واپس بلایا،اور انہیں جائدادیں دیں،عہدے دئے،اور جزیہ معاف کر دیا۔'' ۸

فوق کے مذکورہ بالا افسانے ویسے ہی ہیں جیسے کہ پریم چند کے اسی دور کے افسانوں ''رنجیت سنگھ ، رانی سارندھا،وکرما دتیہ کا تیغہ،راجہ ہردول ،اور آلھا'' وغیرہ ہیں ۔ پریم چند کے ایسے افسانوں سے دو مختصر اقتباسات دیکھتے چلیں:

ا۔ ''چوہان راجہ ،آداب جنگ کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔اس کی ہمت عالی ،اسے کمزور، بے خبر اور نا مستعد دشمن پر وار کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔''

۲۔ ''رنجیت سنگھ ،سخاوت وشجاعت اور رحم وانصاف میں اپنے وقت کے وکرما دتیہ تھے۔انہوں نے مغرورِ کابل کا غرور،جس نے صدیوں تک ہندوستان کو سر نہیں اٹھانے دیا تھا،خاک میں ملا دیا۔''

اگر پریم چند کے مذکورہ بالا افسانوں کو''افسانہ مانا جاتا ہے تو پھر اسی نوعیت کے فوق کے افسانوں کو افسانہ کیوں

نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔

اردو کے ابتدائی افسانوں ،نصیر اور خدیجہ (راشد الخیری) نابینا بیوی (سلطان حیدر جوش) اور دنیا کا انمول رتن (پریم چند) وغیرہ کی طرح فوق کے ''حکایاتِ کشمیر'' کے افسانوں (حکایتوں) کے عنوانات بھی افسانہ کے نفس مضمون کو واضح کرنے والے ہوتے ہیں،مثلاً: ۱۔راجہ عجب دیو کا انصاف، ۲۔عیش پرست بادشاہ کا انجام، ۳۔مہاراجہ رنبیر سنگھ کی علم نوازیاں، ۴۔جاں نثار وزیر وغیرہ۔

محمد الدین فوق کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ ''سبق آموز کہانیاں'' 1935 میں شائع ہوا۔اس مجموعے میں 36 مختصر افسانے شامل ہیں۔ان میں دنیا بھر کی تاریخ سے لئے گئے مختلف قوموں کے لوگوں کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔یہ کہانیاں بھی فوق نے بچوں اور بڑوں میں اعلیٰ اخلاقی صفات پیدا کرنے کی غرض سے لکھی ہیں۔سرسید کے ''گذرا ہوا زمانہ'' کی طرح فوق نے بھی 'سبق آموز کہانیاں' کی ہر کہانی کے اختتام پر کہانی سے حاصل ہونے والا سبق یا نتیجہ بھی درج کیا ہے جس سے کہانی بیان کرنے کا مقصد قاری کے ذہن نشیں ہو جاتا ہے۔'حکایات کشمیر کی طرح ''سبق آموز کہانیاں میں شامل افسانوں (کہانیوں) کے عنوانات بھی نفس مضمون کو واضح کر دینے والے ہیں مثلاً چند کہانیوں کے عنوانات ملاحظہ ہوں:

۱۔مہمان نواز کی شرافت، ۲۔بخل کا انجام، ۳۔ملاح کی دانشمندی، ۴۔ایک غریب کی نورانی ایجاد، ۵۔وطن کی محبت اور ۶۔مردانہ استقلال وغیرہ۔فوق کا ایک مختصر ترین افسانہ (افسانچہ یا منی افسانہ) جس کا عنوان ''مردانہ استقلال' ہے فرض شناسی اور جرات مندی پر مبنی یہ افسانہ اس طرح ہے:

> ''اپسیا ریلوے لائن سے ایک اسپیشل ٹرین گذرنے والی تھی۔کانٹے والے کا نام، یوئینگ تھا۔جب ٹرین کا انجن کانٹے سے گذرنے لگا تو کانٹے کے سوراخ سے ایک بڑا بھاری بھورا سانپ نکل کر کانٹے پر چڑھ گیا۔اور کانٹے والے کے ہاتھ سے ہوتا ہوا اس کے سر اور پشت سے گذر کر زمین پر اتر گیا۔اگر یوئینگ کانٹا چھوڑ دیتا تو گاڑی کے ٹکڑے ہو جاتے۔مگر شیر دل یوئینگ کانٹے کے ڈنڈے کو پکڑے ہی رہا اور ٹرین گذر گئی۔جب اس نے

کانٹا چھوڑ کر دیکھا تو سانپ کا کہیں پتہ نہ تھا۔لوگوں نے پوچھا کہ ''سانپ نے کاٹا تو نہیں؟ تو یوئینگ مسکرایا،مجمع سے ایک آدمی نے کہا،''اور وہ جو کاٹ لیتا تو بچہ سیدھا ہی سدھار جاتے۔

یوئنگ نے جواب دیا،

''اگر میں ذرا بھی ہلتا تو وہ مجھے کاٹ لیتا اور اگر میں کانٹا چھوڑ دیتا تو اسپیشل ٹرین تباہ ہو جاتی اور تمام مسافر ہلاک ہو جاتے۔''جب لوگوں نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اس کی بہادری کی تعریف کی۔اور اس کی ترقی بھی ہو گئی۔نتیجہ۔کسی سے لڑائی لڑ کر اسے پچھاڑ دینا مردانگی اور بہادری نہیں ۔بلکہ بہادری ''مردانہ استقلال'' کو کہتے ہیں اور مردانہ استقلال کی مثال کانٹے والے کی سچی کہانی ہے۔مصیبت کے وقت ہمیشہ مستقل مزاج رہو ،مصیبت کبھی اثر نہ کرے گی۔ ''۹؎

مذکورہ بالا افسانہ اور اس نوعیت کے دوسرے افسانے یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ فوق کے افسانے کامیاب افسانے ہیں، کیونکہ فوق کے افسانے قاری کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔اس نکتے کو شمس الرحمٰن فاروقی کے اس اقتباس کے حوالے سے بھی سمجھا جا سکتا ہے، فاروقی کے مطابق:

اگر افسانہ پڑھ کر محسوس ہو کہ اس میں کوئی غور طلب بات ہے،اور جس نثر میں وہ لکھا گیا ہے وہ افسانوی ہو،شاعرانہ نہ ہو تو افسانہ اپنی پہلی منزل میں کامیاب ہے''۔۱۰؎

اور فوق کے افسانوں میں یہ باتیں موجود ہیں۔غرض یہ کہ افسانہ کے جن فنی تقاضوں کا ذکر پریم چند نے ''سوزِ وطن'' کے دیباچہ اور اپنے مضامین ''مختصر افسانہ''،مختصر افسانے کا فن''''میرے بہترین افسانے''''راشد الخیری کے افسانے''''ہماری قوت بیانیہ کا زوال'' وغیرہ میں کیا ہے۔(پریم چند کے یہ مضامین 1908 اور 1933 کے دوران شائع ہوئے) یا پھر عبدالقادر سروری کی تصنیف ''دنیائے افسانہ (1927) اور مجنوں گورکھ پوری کے ''افسانہ اور اس کی غائت

''(1935) سے لے کر وقار عظیم (''فن افسانہ نگاری، داستان سے افسانے تک، اور نیا افسانہ)، شمس الرحمٰن فاروقی (شعر غیر شعر نثر)، ڈاکٹر ارتضی کریم (اردو فکشن کی تنقید) اور کئی دوسرے ناقدین نے افسانہ کے جن بنیادی امتیازات کی نشاندہی کی ہے ان میں سے بیشتر محمد الدین فوق کے 'افسانوی مجموعوں ''حکایاتِ کشمیر' اور ''سبق آموز کہانیاں'' میں شامل مختصر افسانوں میں موجود ہیں۔

فوق کے افسانوں کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ ہئیت (Form) فارسی اردو حکایت اور جدید دور کے افسانچوں/منی افسانوں کی ہے موضوعی نوعیت اصلاحی اور تعمیری ہے۔ بیانیہ میں تاریخی، اخلاقی اور انسانی اقدار، کے علاوہ فرقہ وارانہ اتحاد اور کشمیری قوم کی اصلاح اور بیداری کے حوالے سے، فوق کے افسانوں میں Discourse Narratology کے علاوہ Story Narratology کو بھی عمدگی کے ساتھ برتا گیا ہے جو ان کے افسانوں کو نئے جہات سے رو شناس کرواتے ہیں۔ فکشن کے مشہور ناقد پروفیسر شافع قدوائی نے اپنے مضامین میں Narratology کے حوالے سے جو وضاحتیں کی ہیں ان کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ فوق کے افسانوں کے متون تاریخی لازمیت کی Teleology سے جڑے ہوئے ہیں اور اس امتیاز کی بنا پر فوقؔ کے افسانے، انتظار حسین اور اردو کے کئی دیگر ابتدائی افسانہ نگاروں کے افسانوں کی طرح مشرق کی مختلف النوع افسانوی ہئیتوں، داستان، لوک کتھا، قصہ اور حکایت وغیرہ کی روایات اور رسومیات سے مضبوط جدلیاتی رشتہ رکھتے ہیں۔ ان امتیازات کی بنیاد پر فوقؔ کو ریاست جموں و کشمیر کا پہلا افسانہ نگا تسلیم کرنے سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہے۔ ایک اور اہم بات بھی قابل غور ہے کہ، عظیم راہی کے مطابق اردو میں ''افسانچہ نگاری کی ابتدا سعادت حسن منٹو کے ''سیاہ حاشئے'' سے ہوتی ہے، ان کی اس تحقیق کی قدر و قیمت اپنی جگہ، لیکن اگر یہ دیکھیں کہ ''سیاہ حاشیے'' کی اشاعت ۱۹۴۷ء کے بعد عمل میں آئی جب کہ محمد الدین فوقؔ کے ''چھوٹے چھوٹے افسانوں'' کا پہلا مجموعہ ''حکایاتِ کشمیر' ۱۹۲۸ء میں اور دوسرا مجموعہ ''سبق آموز کہانیاں'' ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا تھا لہذا اس بنیاد پر ''افسانچہ یا منی افسانہ'' کا بنیاد گذار منٹو کے بجائے محمد الدین فوق کو قرار دینے پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔

.....

حوالہ جات:

۱۔ مقالات محمد حسن عسکری، ص، 392

۲۔ اردو افسانے کی روایت۔ صفحہ۔ ۴۵

۳۔ بحوالہ؛ ''اردو میں فکشن کی تنقید؛ از ڈاکٹر ارتضیٰ کریم۔ صفحہ۔ 406

۴۔ عظیم راہی؛ اردو میں افسانچہ کی روائت؛ تنقیدی مطالعہ۔ ص 24

۵۔ ایضاً

۶۔ ڈاکٹر محمد منیر اجمل خان نیازی، محمد الدین فوق اور ان کی علمی و ادبی خدمات، صفحہ 621

۷۔ محمد الدین فوق، حکامیاتِ کشمیر، صفحہ 30

۸۔ ایضاً۔ صفحہ۔ 83

۹۔ افسانہ؛ مردانہ استقلال؛ مشمولہ؛ سبق آموز کہانیاں؛ از، محمد الدین فوق ص. 62

۱۰۔ شمس الرحمٰن فاروقی؛ شعر غیر شعر نثر۔ صفحہ. 193

رابطہ:

پروفیسر قدوس جاوید

سابق صدر، شعبۂ اُردو

کشمیر یونیورسٹی، سرینگر

حال: بٹھنڈی، نزد یک، گورنمنٹ ہائی اسکول، جموں

موبائل: 9419010472